رجسٹرڈ آصفیہ نمبر ۱۸۲

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ے
سہ ماہی ...... عاں

قیمت فی پرچہ (۲)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

مملکت

ہفتہ وار

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ے
سہ ماہی ...... عاں

قیمت پرانا پرچہ (۲) ر

جلد ۵ | ۱۱ امرداد ۱۳۵۴ف | ۵ رجب ۱۳۶۴ھ | ۱۶ جون ۱۹۴۵ء شنبہ | نمبر (۹)

جرمنی کو کس طرح شکست ہوئی

چند سیاسی اور فوجی اسباب

یورپ کی جنگ کے اختتام کے فوراً بعد یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ وہ سیاسی اور فوجی اسباب کیا تھے جن کی وجہ سے جرمنی کو شکست ہوئی۔ جرمنی کی زبردست فوجی مشین کے پرخچے اڑ گئے۔ اس کے کیا اسباب تھے!

گزشتہ پانچ سال کے واقعات پر سرسری نظر ڈالتے وقت یورپ کی سیاسی صورت حال کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہٹلر کو اثر و نفوذ اس لئے حاصل ہوا تھا کہ ۱۹۱۸ء کی شکست کے بعد جرمنی کے باشندے اپنی اہمیت کو ابھار کر کے اپنا وقار قائم کرنا چاہتے تھے۔ نازیت کو کمیونزم کا توڑ سمجھا گیا جس کی جڑیں روس میں بہت مضبوط ہو چکی تھیں۔ اپنے نئے جوش و خروش میں نازیوں نے سیاسی صورت حال کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ انگلستان میں قدامت پسندوں کی کامیابی اور امریکہ کی علحدگی پسندی کی وجہ سے انھوں نے یہ غلط نتیجہ اخذ کیا کہ وہ آسانی سے سوویٹ روس سے نبٹ لیں گے۔ جرمنی کو کافی تیاری کئے بغیر غیر ضروری عجلت کے ساتھ جنگ کرنا پڑا۔ یہ پہلی غلطی تھی۔

ابتداء میں جرمنی کو جو حیرت انگیز کامیابی ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ متحدین تیار نہیں تھے۔ جرمنی نے کافی وسائل کے بغیر جنگ شروع کی تھی اگرچہ دو سال کے عرصہ میں اس نے اپنی جنگی مشین کو غیر معمولی طور پر مضبوط کر لیا تھا۔ مگر نازیوں نے متحدین کے وسائل کا کافی اندازہ نہیں لگایا۔ ۱۹۴۰ء تک ہر چیز جرمنوں کے منصوبوں کے مطابق وقوع پذیر ہوئی۔ اگر فرانس کی شکست اور ڈنکرک کے واقعہ کے بعد جرمنی انگلستان پر حملہ کرتا تو اس کی کامیابی کی توقع تھی۔ لیکن اس وقت پر نازیوں نے یہ محسوس کیا کہ انگلستان پر حملہ ممکن نہیں اور حملہ کیا بھی جائے تو اس کے نتائج کچھ مفید نہ ہوں گے۔ اس کے برخلاف انھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ امریکہ برطانیہ کی مدد کو آئے گا۔ بہرحال ۱۹۴۰ء میں جرمنی نے انگلستان پر کیوں حملہ نہیں کیا ایک ایسا موضوع ہے جس پر قیاس آرائی ہو سکتی ہے۔ اس زمانہ میں نازیوں کو ہوائی برتری حاصل تھی۔ اس کے باوجود انگلستان پر حملہ کرنے سے نازیوں کا پس و پیش کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ روس کے حملہ کا اندیشہ تھا۔

اٹلی کا جنگ میں شریک ہونا جرمنی کے لئے مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے جرمنی کو اپنی فوجیں اٹلی کی مدد کے لئے روانہ کرنی پڑیں۔ اٹلی کی جنگی مشین اور اس کی بحری طاقت بہت ناقص تھی۔ بہرحال مشرق وسطیٰ کی مہم ابتداء میں کامیاب رہی لیکن اس مہم کو ختم کرنے سے پہلے جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا۔ یہاں اس امر کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ ۱۹۳۹ء میں جرمنی اور روس کے مابین جو معاہدۂ عدم اقدام ہوا تھا وہ دراصل ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش تھی۔ جرمنی نے یہ خیال کیا تھا کہ روس کو غیر جانبدار رکھ کر وہ پولینڈ، فرانس اور برطانیہ سے نبٹ لے گا۔ روس یہ چاہتا تھا کہ جرمنی جنگ میں الجھ کر تھک جائے۔ اس طرح روس نے جرمنی کو خودکشی کا موقع دیا۔ لیکن ۱۹۴۱ء میں جرمنی صحیح سیاسی صورت حال کو محسوس کرنے لگا اور یہ کوشش کی کہ امریکہ کے برطانیہ کی مدد کو آنے سے پہلے غیر جانبدار بنا دیا جائے۔ اس وقت تک جرمنی کے منصوبے کامیاب رہے لیکن روس پر حملے کے بعد جرمنی کی فوجی طاقت میں انتشار اور کمزوری پیدا ہونے لگی۔ جرمنی کے فوجی ہائی کمانڈ نے نپولین کی اس تنبیہ کو پس پشت ڈال دیا کہ پہلے انگلستان کو شکست دی جائے۔ اس کے برخلاف جرمنی پہلے روس کی طرف رخ کر کے انگلستان کو تیاری کا موقع دیدیا۔ جرمنی کی یہ کوشش تھی کہ برطانیہ کے تیار ہونے سے قبل روس کو شکست دیدی جائے۔

۱۹۴۲ء میں محوریوں نے مشرق وسطیٰ کی مہم میں بھی ایک بڑی غلطی کی۔ رومل نے شمالی افریقہ میں پیش قدمی کی اور العالمین تک پہونچ گیا۔ دنیا یہ سمجھ رہی تھی کہ متحدین کی شکست مشرق وسطیٰ میں یقینی ہے لیکن جب محوری فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھنے لگیں محوری کمک نہ لا سکے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جرمنی اسٹالن گراڈ کی مہم میں مصروف تھا۔ حیرت ہے کہ اس وقت اٹلی کا بحریہ کچھ نہ کر سکا۔ مشرق وسطیٰ کی مہم میں ہندوستانی سپاہیوں کی جانبازی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

جس وقت جرمنی روس کے خلاف اپنی قوت زائل کر رہا تھا متحدین تیاری میں مصروف تھے۔ امریکہ کے جنگ میں شریک ہو جانے کے بعد متحدین کی جنگی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ جرمنی کو مغربی محاذ کے حملہ کا ہمیشہ اندیشہ رہا۔ وہ یہی اس کوشش میں ناکام رہا کہ روس کو مغلوب کر کے مغربی محاذ کا مقابلہ کیا جائے۔

(بقیہ صفحہ ۱۰)

مملکت ہفتہ وار

جلد ۵ | ۱۱ امرداد ۱۳۵۵ف | نمبر ۹

ابھی دلی دور ہے

شام اور لبنان کے قضیے کی وجہ سے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہو گئی کہ دس کروڑ انسانوں کا خون بہائے جانے کے بعد بھی دنیا نے ابھی اس نظریہ کو ترک نہیں کیا کہ قوت ہی حق ہے۔ اس وقت جبکہ سان فرانسسکو میں آزادی اور حق خود ارادیت کا پرچار ہو رہا تھا، استعمال ناجائز کی مذمت کی جا رہی تھی۔ کمزور اقوام کو بھی وہی حقوق عطا کرنے کا وعدہ کیا جا رہا تھا جو قوی اقوام کو حاصل ہیں مشرق وسطی کی ایک چھوٹی سی مملکت کے پر امن شہریوں پر بمباری کی جا رہی تھی۔ برطانیہ اور امریکہ کی مدد سے ایک نجات تو حاصل کرنے کے بعد فرانس اپنے سامراجی منصوبوں کو روبہ عمل لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ شام و لبنان میں فرانس کی جارحانہ کارروائیوں کو یہاں کی عرب آبادی اپنی آزادی میں مداخلت تصور کرتی ہے۔ اس واقعہ سے عرب ممالک کے جذبات اس قدر برہم ہیں کہ "عرب لیگ" شام و لبنان کے مطالبات کی پوری طرح ساتھ دے رہی ہے۔ یہ خبر بھی کہ فرانس نے آتش باری کی جو دلی و دمشق برباد و تاراج ہو چکا ہوتا۔

اس واقعہ سے مغرب کی سامراجی طاقتوں کو یہ سبق لینا چاہئے کہ ان کی قدیم سامراجی پالیسی پامال اور کہنہ ہو چکی ہے اور مشرق اس وقت بیدار ہو چکا ہے۔ مغربی دول اپنے آپ کو مشرق کا محافظ کہہ کر اپنے سامراجی منصوبوں کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ دنیائے عرب کسی ملک کے تسلط کو قبول کرنے تیار نہیں ہے۔ دریائے نیل سے افغانستان تک بیداری کی ایک لہر دوڑ رہی ہے۔ مشرق وسطی کے یہ ممالک خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنی ترقی کے امکانات کو محسوس کر رہے ہیں۔ ان کا یہ نیا جذبہ انہیں صنعتی و سیاسی ترقی کی شاہراہ پر لے جا رہا ہے۔ صدیوں کے سیاسی تجربہ وہ قرآن کے بعد وہ سمجھنے لگے ہیں کہ صرف اتحاد ہی انہیں آزادی اور ترقی کی منزل تک لے جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ جذبہ "عرب لیگ" کی صورت میں کار فرما ہے۔

جنرل ڈی گال کا جارحانہ اقدام ہر طرح قابل مذمت ہے لیکن جنرل موصوف کا یہ مطالبہ اہمیت سے خالی نہیں کہ مشرق وسطی کے جملہ ممالک کے مسائل اور ان کا آئندہ موقف ایک ایسی کانفرنس میں پیش کیا جائے جس میں اکابر خمسہ کے نمائندے شریک ہوں۔ حکومت برطانیہ نے اس فرانسیسی مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ [illegible] پہلو ہماری سمجھ میں نہ آسکا۔ اگر برطانیہ کا یہ منشاء ہے کہ شام اور لبنان میں فرانس کو کوئی حقوق حاصل نہ ہوں بلکہ وہ حقوق برطانیہ کو حاصل ہو جائیں تو شام اور لبنان کے ساتھ برطانیہ کی ہمدردی انتہائی خود غرضی پر مبنی ہے۔ شام و لبنان ہی نہیں بلکہ ترکی کے جملہ ممالک اسلامیہ مغربی اقوام کے جذبہ استحصال کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانان ہند نے فرانس کے اس جارحانہ اقدام کی سچا طور پر مذمت کی لیکن معاملہ کو اسی حد تک رکھا۔ ہم اس کو مسلمانان ہند کی کوتاہ نظری سمجھتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ فرانسیسیوں کے ساتھ ان تمام دول کی بھی مذمت کی جاتی جنہوں نے کسی نہ کسی بہانے سے ان کمزور ممالک پر اپنا معاشی و سیاسی تسلط قائم کر رکھا ہے۔ کہیں تیل کے جھگڑے ہیں تو کہیں معدنی حقوق کے۔ کہیں سرمایہ دارانہ اغراض کام کر رہے ہیں تو کہیں فوجی مصالح۔ مگر نتیجہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ کمزور ممالک مٹے جا رہے ہیں۔ اکابر خمسہ کی کانفرنس میں اگر یہ مسائل پیش ہوں تو ایسی کانفرنس سے بھی انصاف کی توقع رکھنا فضول ہے۔ لیکن ان کی باہمی رقابتوں سے شاید کمزور اقوام کو تھوڑا بہت فائدہ ہو جائے۔ باشندگان ہند کو ہمارا یہ مشورہ ہوگا کہ وہ اکابر خمسہ کی کانفرنس سے مطالبہ کی تائید کریں تاکہ جملہ ممالک اسلامیہ کا مستقبل اس کانفرنس میں موضوع بحث بنایا جا سکے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ خود اکابر خمسہ اپنی تجاویز اس عظیم تر جماعت میں پیش کرتے جو سان فرانسسکو میں تشکیل دی گئی ہے۔ اخبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب لیگ بھی شام و لبنان کے مسائل سے متعلق ایک بین الاقوامی کانفرنس کے قیام کی تائید کر رہی ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ مسٹر جناح جیسے مدبر نے اس مطالبہ کی اہمیت اور اس کے دور رس نتائج کو کیسے نظر انداز کر دیا۔ تاہم یہ امر باعث طمانیت ہے کہ مسلمانان بمبئی کے ایک جلسہ عام میں جو صوبائی مسلم لیگ کی سرپرستی میں منعقد ہوا تھا جو قرار دادیں منظور ہوئیں وہ شام و لبنان کے علاوہ مشرق وسطی کے دیگر ممالک سے بھی متعلق تھیں۔ ایک قرار داد میں فرانس کے جارحانہ اقدام کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

> مسلمانان بمبئی کا یہ جلسہ عام شام و لبنان کے مظلوم باشندوں کے ساتھ اپنے دل کی گہرائیوں سے اظہار ہمدردی کرتا ہے اور فرانسیسی سپاہ کے اس ظلم و ستم کی پرزور الفاظ میں مذمت کرتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر ان دونوں ممالک کے باشندوں کو شدید جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑے۔ یہ جلسہ اس قتل عام کے خلاف بھی شدید احتجاج کرتا ہے جو فرانسیسی سپاہ نے الجیریا میں شروع کر دیا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر الجیریا کے دس ہزار باشندے آزادی وطن کی خاطر شہید ہو گئے ہیں۔

فلسطین سے متعلق ایک اور قرار داد منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ:-

> مسلمانان بمبئی کا یہ جلسہ فلسطین میں برطانوی حکومت کی یہود نواز پالیسی کی سخت مخالفت کرتا ہے اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت برطانیہ عربوں سے کئے ہوئے معاہدات کا احترام کرے اور فلسطین سے اپنا انتداب برخاست کر دے۔

بہر کیف شام اور لبنان کی طرح دیگر اسلامی ممالک بھی ظلم و تعدی کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسٹر ڈی گال کی حکومت بدنام ہو گئی اور دیگر دول نے اپنی حکومتوں کو بدنام ہونے سے ہنوز بچا رکھا ہے۔ لیکن سب کی حکمت عملی ایک ہی نوعیت کی ہے۔ ورنہ چرچل اور روزولٹ جیسے اکابر کا یہ چار و ناچار ابن سعود سے ملنے کی زحمت گوارا کرنا اور برطانیہ کا قاہرہ اور طہران کا سفر کرنا محض خوش اتفاقی نہیں ہے۔ تیل کے چشمے، معدنی حقوق اور حمل و نقل کے وسائل یہ ہیں وہ عناصر جو دول عظمیٰ کی توجہات کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ قدرت کی فیاضی ان ممالک کے حق میں رحمت کے بجائے زحمت ثابت ہو رہی ہے۔ اگر سان فرانسسکو کانفرنس کا یہی منشاء ہے تو پہلی عالمگیر جنگ کا اختتام ایک اور جنگ کا آغاز ثابت ہوا۔ امن عالم تو محض سیاسیات کے رجحانات

سے بہتر نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ روس سے قربت [illegible] خائف بھی ہیں۔ مسٹر چرچل نے اپنی انتخابی مہم کی ابتدا سوشلزم اور روسی فلسفہ کی مذمت کے ساتھ کی۔ مگر مزدور [illegible] پرست پارٹی کو اس مہم میں کامیابی ہوئی اور بعض سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ روس سے تصادم کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ امریکہ کے بعض اخبارات نے واشنگٹن کی حکومت کو ابھی سے متنبہ کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ روس سے متصادم ہونے سے باز رہے۔ مگر جب تک جاپان کو مکمل شکست نہ ہو جائے امریکہ مشکل سے ایسی جسارت کر سکتا ہے۔ اگر مزدور جماعت انتخابات میں کامیاب ہو گئی تو برطانوی حکومت روس سے ہم آہنگی پیدا کرے گی جیسا کہ عمالی لیڈروں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔ جاپان کو شکست دینے کی مہم میں امریکہ کو اپنے رفقاء سے جس کمک کی توقع تھی وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری نہیں ہوئی۔ چنانچہ امریکی اخبارات اس مسئلہ میں ناراض نظر آتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں بے چینی کے آثار نمایاں ہیں جس کا ایک ثبوت عرب لیگ کی قراردادوں سے ملتا ہے۔ خود سان فرانسسکو میں جہاں پائیدار امن کا سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا اختلافات اور مناقشات محض زیر سطح نہیں بلکہ منظر عام پر آگئے ہیں۔ ایسے منظر میں کون کہہ سکتا ہے کہ عالمی امن کی منزل قریب ہے۔

اگر انتخابات میں عمالی جماعت برسر اقتدار آجائے تو اکثر سیاسی حلقوں کا خیال ہے کہ دیگر اقوام کے ساتھ مائل بہ انصاف ہو گی اور دنیا ایک تیسری جنگ سے محفوظ رہے گی۔ یہ توقع بھی بس ایک توقع ہی ہے۔ کمزور اقوام کا مستقبل بشمول ہندوستان ہنوز تاریک ہے۔

سالگرہ ہمایونی

حضرت بندگانِ اقدس خسرو دکن و برار آصف جاہ سابع کی ۶۱ ویں سالگرہ پر ہم اہل ملک کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ روز سعید تا دیر نصیب ہوتا رہے۔

پبلک اداروں کا امتحان

چونکہ ملک معاشی جمہوریت سے نا آشنا رہا ہے اور معاشی جمہوریت سے غیر مانوس ہو اگر وہ سیاسی جمہوریت کا مطالبہ کرے تو ایسا مطالبہ کس قدر مصنوعی ہو گا محتاج بیان نہیں۔ انجمن پسند اقوام کی مساعی اور روشن خیال ہندو لیڈروں کی کوششوں سے چھوت چھات کی لعنت آہستہ آہستہ دور ہو رہی ہے اور ہمارا ملک بھی جمہوریت کے راستہ پر گامزن ہو رہا ہے لیکن معاشی جمہوریت کا نام سننے کے لئے بھی کوئی سرمایہ دار آمادہ نظر نہیں آتا۔

گزشتہ ہفتہ مولوی فضل اللہ صاحب نے اتحادی کارکنوں کے ایک کاروباری جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے بہت صحیح کہا کہ موجودہ سیاسی کشمکش اور بے اعتمادی نتیجہ ہے معاشی رقابتوں اور اس عظیم تفاوت کا جو امیر اور غریب کے مابین پایا جاتا ہے۔ یہ نقطہ نظر اس درست ہے کہ سب سے پہلے ہمیں عام افلاس اور دیہی مقروضیت کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ ہمارے ملک کی اکثریت کاشتکاروں پر مشتمل ہے۔ کاشتکار کو اس کی محنت کا معقول صلہ اسی وقت مل سکتا ہے جبکہ خود کاشتکار یا اس کا نمائندہ ادارہ مارکیٹ کا مالک ہو۔ اتحادی مجلس زرعیات دیہی کا منشاء یہی ہے کہ ہر تعلقہ کی زرعی پیداوار کی نکاسی کا انتظام خود اسی تعلقہ کے کاشتکاروں کا ادارہ کرے۔ اس طرح جو منافع چند افراد کی جیب میں جاتا تھا آئندہ کاشتکاروں کو ملے گا اور سرمایہ دار افراد کاشتکاروں کی جہالت و عدم تنظیم سے ناجائز نفع حاصل نہ کر سکیں گے۔ مولوی فضل اللہ صاحب نے صحیح کہا کہ ایسے اداروں کی ابتدا مواضعات سے ہونی چاہئے۔ چنانچہ آپ کی تجویز یہ ہے کہ ہر موضع کا کاشتکار ہر فصل کی پیداوار سے تھوڑا سا اناج اپنی ضروریات خوراک اور تخم کے لئے موضع کے غلہ بنک میں پس انداز کرے۔ دیہی معاشیات کا متعلم جانتا ہے کہ دیہی مقروضیت کی ابتداء کس طرح سے ہوتی ہے۔ کاشتکار خوراک یا تخم کے لئے ساہوکار کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ ساہوکار ایک من غلہ قرض دیتا ہے تو فصل پر دو من واپس لیتا ہے۔ جب اس طرح قرض میں اضافہ ہو جاتا ہے تو [illegible] کے موقع پر جنس کا قرضہ نقدی قرضہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہو جاتا ہے۔ ساہوکار اپنے قرض کی حفاظت کے لئے کھیت کی پیداوار کو مکفول کر لیتا ہے اور فصل کٹنے پر کاشتکار اپنی پیداوار کو ساہوکار کی مقرر کی ہوئی قیمت پر ساہوکار کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح کاشتکار ہمیشہ کے لئے ساہوکار کی معاشی غلامی میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ اس سے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہر موضع میں ایک غلہ گودام قائم ہو۔ حکومت سرکار عالی نے اس مسئلہ [illegible] کو رسد سے مربوط کر کے کاشتکاروں پر ایک احسان عظیم کیا۔ جیسا کہ مولوی فضل اللہ صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے اگر [illegible] جنگ جاپان کے اختتام کے بعد [illegible] چار سال جاری رہی تو ہمیں یقین ہے کہ ہر موضع میں ایک نہایت مرفہ الحال غلہ گودام قائم ہو جائے گا جو چھوٹے کاشتکاروں اور زرعی مزدوروں کی ضروریات کی تکمیل کرے گا۔

مولوی فضل اللہ صاحب نے معاشی تعمیر کا جو خاکہ پیش کیا ہے اس میں اولیت غلہ گودام کو حاصل ہے۔ اس کے بعد تعلقہ کا ادارہ ہے اور آخری منزل [illegible] کمرشیل کارپوریشن ہے جس کو اتحادی سانچہ میں ڈھال کر حیدرآباد کوآپریٹو کارپوریشن کے نام سے مستقلاً قائم کیا جائے۔ حکومت سرکار عالی کے پیش نظر ہے اگر اتحادی اداروں کا یہ سلسلہ [illegible]

[illegible]

قانون امداد باہمی [illegible]

[illegible] پیداوار کی نکاسی اور اس کا منافع [illegible] کاشتکار [illegible] میں ہو گا۔ کیا کوئی شخص جو کاشتکاروں سے ہمدردی کا مدعی ہو اس اسکیم کی مخالفت کر سکتا ہے؟ لیکن سرمایہ دار اپنے مفاد کی بات دوسروں کی زبان سے کہلواتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ سرمایہ دار طبقہ امداد باہمی کی تحریک کی کھلے طور پر مخالفت نہیں کرتا مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ مخفی طور پر اس تحریک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر امداد باہمی کی تحریک کے خلاف زبان کھلتی ہے یا [illegible] کارکنوں کی [illegible] قلم چلتا ہے تو چند ایسے صحافی [illegible] جنہیں اپنے صحافتی اخلاق کے اعلیٰ معیار پر ہمیشہ ناز رہا ہے۔ ہم ان حرکات کو سرمایہ داروں کا [illegible] سمجھتے ہیں۔

ہم ملک کے پبلک اداروں اور اخبارات سے متوقع ہیں کہ وہ مولوی فضل اللہ صاحب کی پیش کردہ تجویز پر [illegible] غور فرما کر [illegible] صحیح رہنمائی فرمائیں گے۔ مولوی فضل اللہ صاحب کی اسکیم دراصل حیدرآباد کے پبلک اداروں کا امتحان ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون سا ادارہ خود کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کس حد تک [illegible] اور کس حد تک سرمایہ داروں کا آلہ کار۔

شام اور لبنان کی آزادی پر حملہ

از

شرف عالم

شام و لبنان کے نمائندوں نے سان فرانسسکو کی موتمر کو ایک بیان جاری کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چند ہفتے پہلے فرانس نے شام و لبنان کی حکومتوں کے سامنے ایک یادداشت پیش کی اور مطالبہ کیا کہ شام و لبنان میں فرانس کو بحری اور ہوائی اڈے بنانے کا حق اور خاص تہذیبی رعایتیں اور معاشی مراعات دئے جائیں۔ اس کے علاوہ اس یادداشت میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ شام و لبنان کی فوجیں ایک لامحدود وقت کے لئے فرانس کے ماتحت رہیں گی۔

فرانسیسی حکومت نے ایک طرف یہ یادداشت روانہ کی اور دوسری طرف ان ملکوں میں سنگالی سپاہیوں کی مزید کمک بھیجا دی۔ مقصد غالباً یہ تھا کہ فوجی کمک سے شام و لبنان کے باشندے مرعوب اور فرانسیسی حکومت کے مطالبات کو بے چوں وچرا تسلیم کریں۔

ظاہر ہے کہ کوئی آزاد اور خود دار قوم ان حرکتوں کو گوارا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ شام و لبنان کی حکومتوں نے سنگالی (وسط افریقہ میں ایک فرانسیسی مقبوضہ سنگال کے باشندے) فوجوں کی موجودگی میں فرانسیسی حکومت سے گفت و شنید کرنے سے انکار کر دیا۔ دونوں حکومتوں نے ایک مشترکہ بیان میں بتایا ہے کہ "فرانس نے جو تجویز پیش کی ہیں وہ ہماری آزادی کے منافی ہیں۔ اور اس موقعہ پر سنگال سپاہیوں کی کمک بھیجنا ہماری آزادی اور خود مختاری پر ایک زبردست حملہ ہے۔"

اس واقعہ کے بعد شامی اور لبنانی محبان وطن نے حکومت فرانس کی اس حرکت کے خلاف مظاہرے کئے۔ سنگالی سپاہیوں نے ان پر گولیاں چلائیں اور کئی محبان وطن شہید ہوئے۔

اس صورت حال کی اصلی ذمہ داری فرانس کے ان رجعت پسند حلقوں پر ہے جو آج بھی اپنے سامراجی حقوق سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ انہیں سامراج پرست اور فاشست نواز حلقوں کی غداری سے پورے فرانس پر نازیوں کا قبضہ ہوا تھا اور خود شام و لبنان پر بھی نازیوں نے اپنے ناپاک قدم جمالئے تھے۔ ان تینوں ملکوں کے محبان وطن کی عظیم الشان جدوجہد اور اتحادیوں کی فوجی امداد کی بدولت فرانس اور اس کے ساتھ شام و لبنان بھی نازیوں کے جوئے سے آزاد ہوئے۔ مگر فرانس کی حکومت پر ابھی تک بڑے بڑے رجعت پرست سرمایہ دار اور سامراجی حاوی ہیں۔ یہ وہی

لوگ ہیں جنھوں نے فرانس کے آزاد ہوتے ہی اس بات کی کوشش شروع کی کہ فرانس کے محبان وطن چھاپہ ماروں کے ہتھیار چھین لئے جائیں اور انہیں منتشر کر دیا جائے۔ رجعت پسندوں کی یہ چال کامیاب نہ ہو سکی۔ مگر ان کی کوشش برابر جاری ہیں۔ وہ آج بھی کوشش کر رہے ہیں کہ فرانسیسی عوام کے اصلی نمائندوں کو برسر اقتدار نہ آنے دیا جائے۔ انہیں کی سازشوں کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ فرانس کے ایک ایک ہزار بڑے بڑے سرمایہ دار نازی درندوں سے تعاون کرنے کے جرم میں گرفتار ہو چکے ہیں مگر ان پر ابھی تک مقدمہ نہیں چلایا گیا اور ان کے داغ چھپانے کی تدبیر کی جا رہی ہے۔ یہی رجعت پسند عناصر فرانس کی معاشی بحالی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ انہیں کے زیر اثر لوگوں کی حکومت نے مزدوروں کی اجرت بڑھانے سے انکار کیا تھا جس سے تنگ آ کر فرانس کے مزدوروں کو ہڑتال کرنی پڑی تھی۔ انہیں فرانسیسی رجعت پرستوں نے آج سے دو مہینہ پہلے الجزائر کے بھوکے کسانوں پر گولی چلوائی تھی۔ الجزائر کی کمی تھی اور یہ امن کسانوں کا ایک جلوس حکومت سے غذا کا مطالبہ کرنے نکلا تھا۔ مگر پولیس کی بے دردی گولیوں نے ان میں سے بہت سے نہتے کسانوں کو ہلاک کر دیا۔

فرانس کے یہی رجعت پسند عناصر ہیں۔ جو اگر ایک طرف فرانسیسی مزدوروں اور کسانوں کو برسر اقتدار دیکھنا نہیں چاہتے تو دوسری طرف شام و لبنان اور دوسرے محکوم ملکوں کی آزادی کے بھی سخت دشمن ہیں۔ شام و لبنان میں جو نازک صورت پیدا ہو چکی ہے اس کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق لبنان کی کمیونسٹ پارٹی کے صدر فرج اللہ الحلو نے کہا تھا کہ

"فرانسیسی سیاست اور فرانسیسی سیاست دانوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جس سے لبنان کے باشندے سخت نفرت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دماغ سے نسلی ذہنیت کا اثر آج بھی دور نہیں ہوا۔ وہ یہ نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنا چاہتے کہ دنیا بڑی تیزی سے بدلتی جا رہی ہے۔ سامراجیت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ کبھی لوٹ نہیں سکتا۔" (صوت الشعب بیروت مورخہ ۱۱ر جنوری ۱۹۴۵ء)

ان رجعت پسند سامراجیوں کے خلاف فرانس کے ترقی پسند بڑی شدت سے جنگ کر رہے ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتہ فرانس میں ہر جگہ میونسپلٹیوں کے انتخابات ہوئے جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ موجودہ فرانسیسی حکومت نہیں کی یہ کاروائیوں کے نہ وہ پیش کئے گئے ہیں فرانس کے عام باشندوں کی نمائندہ نہیں کہی جا سکتی۔ میونسپلٹیوں کے انتخابات میں سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو زبردست اکثریت حاصل ہوئی۔ مگر موجودہ حکومت میں ان کی آواز کو بالکل نہیں سنی جاتی۔ چنانچہ فرانسیسی سوشلسٹ اور کمیونسٹ دونوں پارٹیاں جہاں فرانس میں ان رجعت پسندوں کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں وہاں دوسری طرف ان کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ سامراجیوں نے جن ملکوں پر اپنا قبضہ یا علمداری قائم کر لی تھی انہیں کی آزادی دی جائے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ فرانس کے مزدوروں اور کسانوں نے محکوم ملکوں اور خصوصاً شام و لبنان کی آزادی کے لئے ہمیشہ جدوجہد کی ہے۔ چنانچہ شامی کمیونسٹ پارٹی کے صدر خالد بکداش نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دو جولائی ۱۹۳۶ء کے مظاہرہ میں پیرس کے مزدور ہمارے ملک کا جھنڈا اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور میری آنکھیں پر نم تھیں۔ ہاں وہ شامی جھنڈے کے علمبردار تھے۔ اور جھنڈے کے پیچھے ایک تختہ پر لکھا تھا "شامی بھائیوں کو ہمارا سلام" "شام کو آزاد کرو"!

(صوت الشعب ۱۱ر جون ۱۹۴۳ء)

شام و لبنان کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے فرانس کے جمہوریت پسندوں کی کوشش آج بھی جاری ہیں۔ شام و لبنان کے عوام اس حقیقت سے خوب واقف ہیں اور اسی لئے وہ فرانس کے مجاہدین آزادی کو قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خالد بکداش کے الفاظ ہیں۔

"ہماری قوم فرانسیسی قوم سے دوستی کا دم بھرتی ہے۔ اور فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کی حمایت کرتی ہے۔ کیونکہ فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی سامراجی نظام کو اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتی ہے وہ ہماری اور تمام محکوم قوموں کی آزادی کی علمبردار ہے۔"

(صوت الشعب۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۴۴ء)

غرضکہ شام و لبنان میں آج صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف فرانسیسی حکومت ہے جو ان ملکوں پر اپنا سامراجی اثر اور اقتدار قائم رکھنا چاہتی ہے اور دوسری طرف ان کے خلاف ان ملکوں کے محبان وطن ہیں نہیں خود فرانسیسی جمہوریت پسندوں اور آزادی کے علمبرداروں سے پوری مدد مل رہی ہے۔

سامراجیوں اور فاشستوں کی پرانی عادت ہے کہ اپنے ناپاک اغراض پورے کرنے کے لئے وہ محکوم ملکوں کی ہمدردی کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ مسولینی جس نے حبشہ کے بے گناہ باشندوں پر موت کے گولے برسائے تھے۔ محافظ اسلام بن کر مسلمانوں کی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۰)

اُردو غیر ملکی زبان ہے

بابو پرشوتم داس ٹنڈن کا ارشاد

سنے تو آپ کا ہے جہاں میں فسانہ کیا!
خواجہ آتش نے کہا تھا۔ ع
"سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا!"

مگر ہم نے خواجہ کے مصرع میں تھوڑا سا تصرف کیا ہے کیونکہ ہمیں اختلاف رائے کے باوجود یو۔پی کے اسپیکر بابو پرشوتم داس ٹنڈن صاحب کی تعظیم منظور ہے۔ زبان کے معاملہ میں ان کے خیالات ناظرین کے ملاحظے سے گزر چکے ہیں۔ اب دیکھئے کہ لاہور کا ایک انگریزی روزنامہ جس کو ترقی اردو سے یا لیگ وغیرہ اسلامی اداروں سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ٹنڈن صاحب کے متعلق خیالات کی نسبت کیا رائے رکھتا ہے۔ اخبار ٹریبیون اپنی ایک تازہ اشاعت کے اداریے میں لکھتا ہے۔

"یو۔پی کی لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر بابو پرشوتم داس ٹنڈن نے زبان کے مسئلے پر اس طریق سے بحث کی ہے کہ اسے آسانی سے حل ہونے کے قابل بنانے کی بجائے زیادہ مشکل بنا دیا ہے۔ وہ اُردو اور ہندی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں گویا وہ ایسی دو مختلف اور متضاد زبانیں ہیں جن میں کوئی اتحادی تعلق نہیں اور وہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں اگرچہ افعال اور فاعل و مفعول بہت سے اُردو اور ہندی جملوں میں ویسے ہی ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ......

ہم کو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بابو پرشوتم داس ٹنڈن نے اُردو کو غیر ملکی زبان ہونے کا طعنہ دیا ہے اور اسے انگریزی کے ساتھ نتھی کیا ہے۔ اُردو ایسی ہی ہندوستانی زبان ہے جیسی ہندی ہے۔ اُردو ہندوستان میں پیدا ہوئی، یہیں بڑھی اور یہیں پروان چڑھی جب کہ انگریزی کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ پھر اسے غیر ملکی کیوں کر قرار دے سکتے ہیں۔ اُردو قطعی طور پر ایک ہندوستانی زبان ہے ......"

اس اقتباس کے مضمون کی تاویل اور تشریح غیر ضروری ہے۔ زبان کے معاملے میں اس سے زیادہ بے لاگ اور معقول رائے اور کوئی نہیں ہو سکتی ہے۔ اب دیکھئے پریاگ اور کاشی کے پنڈتوں کا فتوا اس بارے میں کیا ہوتا ہے۔

سادہ لوح انسان کی عقل حیرانی میں ڈوب جاتی ہے کہ یہ کیا بات ہے! وہ لوگ جو گاندھی جی کے کھیا سمجھے جاتے ہیں اور کانگریسی وزارتوں میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہو چکے ہیں اُردو اور ہندستانی کے اتنے خلاف کیوں ہیں؟

پہلے کانگریس کا جو دستور تھا اس کی دفعہ سن لیجئے (جسے انگریزی میں کانسٹی ٹیوشن کہتے ہیں)

"دفعہ ۲۵ (۱) کانگریس آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور مجلس عاملہ کی کارروائی معمولاً ہندوستانی میں ہوا کرے گی۔ انگریزی زبان یا صوبائی زبان بھی استعمال ہو سکے گی اگر مقرر ہندستانی نہ بول سکتا ہو یا جب صدر اجازت دے۔ (ب) صوبائی کانگریس کمیٹی کی کارروائی معمولاً اس صوبہ کی زبان میں ہوا کرے گی۔ ہندستانی بھی ہوا کرے گی۔"

اس آئینی دستور کے ہوتے ہوئے کسی کانگریسی کا ہندستانی کی مخالفت کرنا اور ہندی اور سنسکرت و ہندی کی حمایت کرنا جب کہ وہ کانگریس سے الگ نہیں ہوا ہے کہاں تک معقول کہا جا سکتا ہے؟ اس کے جواب کے لئے آسمان سے تارے توڑ لانے کی ضرورت نہیں۔ ان حضرات کو یہی مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ یا وہ اس رویہ کو چھوڑیں یا کانگریس سے استعفا دیں۔ ورنہ "میری دونوں میٹھی" کا مقولہ ان کے منہ پر جچتا نہیں۔ وہ ٹنڈن جی ہوں یا سمپورنانند جی ان کی جائز جگہ مہاسبھا میں یا سمیلن میں یا کہیں اور ہو گی جس کو تلاش کرنا خود انہی کا کام ہے۔ خواجہ شریف کی طرح دو طرف ہاتھ مارنا ان جیسی ہستیوں کو زیبا نہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو پر ان جیسے حضرات کا یہ الزام تھا کہ انھوں نے صوبہ بہار میں اُردو کو داخل کیا اور انھی نہرو صاحب کے بارے میں آج گاندھی جی ٹنڈن صاحب کے جواب میں کیا فرما رہے ہیں۔

سمیلن پہلے ہندی ساہتیہ سمیلن کا نام ابھی آیا تھا۔ چترویدی صاحب کے مطابق یہ ادارہ ساہتیہ یعنی ادب کا کام نہیں کر رہا ہے مگر ٹنڈن جی اسی کو کانگریس کے مقابلے میں کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ گاندھی جی نے ہری جن مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۸ء میں لکھا ہے۔

"سمیلن کے اراکین اپنی ہندی کی قابلیت اتنی بڑھا لیتے اور ایسا ادب پیش کر سکتے جو ہندو اور مسلمان دونوں پڑھ سکیں۔ اس کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اراکین فارسی حروف سیکھتے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ بڑا اچھا موقع کھو دیا۔"

سال تمام ہی گئے بیت گئے ہیں۔ ان اراکین کو تو بہ قول پنڈت موتی چند شرما صاحب جو راست کے نام سے مشہور ہیں، اردو فارسی حروف کس طرح سیکھتے۔ دیکھنا ہے کہ راشٹر بھاشا کے شیدائی ٹنڈن جی اور سمپورنانند جی اور ان کے ہم خیال حضرات گاندھی جی کی اس شکایت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ کیوں کہ یہ لوگ سمیلن کے گہرے دوست اور حامی ہیں۔

اس بارے میں کہ اُردو کے بنانے میں ہندو اور مسلمان دونوں کا برابر کا حصہ ہے اور یہ زبان ان دونوں کا ناقابل تقسیم اور قابل فخر ترکہ ہے۔ اُردو نقاد بے شمار شہادتیں پیش کی جا چکی ہیں۔ حال میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی رائے اس بارے میں نہایت اہم اور قابل قبول ہے۔ ان حضرات کے لئے جو اب تک ایک قسم کے تجاہل عارفانہ سے یا سیاسی مصلحت سے اُردو کی ہمہ گیری اور عظمت تسلیم کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اپریل کے آخری ہفتے میں انجمن ترقی اردو بمبئی کے زیر اہتمام ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی صدارت میں ایک مشاعرہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے مشاعرے کے افتتاح کے سلسلے میں فرمایا کہ یہ الزام بے بنیاد ہے کہ اُردو کو مسلمانوں نے زبردستی اس ملک میں رائج کیا ہے۔ انھوں نے کہا۔

"ہندوستان کے مسلمان بادشاہ یا تو فارسی بولتے تھے یا عربی اور انھوں نے اُردو کی کبھی سرپرستی نہیں کی۔ یہ زبان عوام کے روزمرہ ارتباط سے پیدا ہوئی اور بڑھی اور اس کی ترقی میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا حصہ ہے۔"

ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا کہ اُردو میں فارسی اور عربی کے الفاظ بھی اور سنسکرت حتی کہ پرتگالی کے بھی ہیں لیکن اس کی بنیاد ہندوستانی زبانوں پر قائم کی گئی ہے۔ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اُردو ہندوؤں اور مسلمانوں کا سب سے زیادہ قابل فخر ترکہ اور ہندو مسلم اتحاد کی علامت ہے۔

انھوں نے ملک کے تعلیم یافتہ طبقوں سے اپیل کی کہ وہ ایسے موقع پر جبکہ اتحاد کی اشد ضرورت ہے اُردو کی اس اتحاد پیدا کرنے والی خصوصیت کو نظر انداز نہ کریں۔ انھوں نے اُردو بولنے والوں سے یہ درخواست کی کہ وہ اُردو کو اور آسان بنائیں اور ملک کے ہر گوشے میں اسے رائج کریں۔

(ہماری زبان)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید

برطانیہ مشرق وسطیٰ میں اس لئے کافی فوج رکھنے پر مجبور تھا کہ جرمنوں نے ڈوڈیکنیز میں گزرنوں کو ناقابل تسخیر کیا تھا۔ اس کے علاوہ برطانیہ جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے مشرق وسطیٰ میں امن نہایت ضروری ہے۔ اور مشرق وسطیٰ ایک نہایت اہم مرکز ہے۔ (مسٹر ایڈورڈ گریگ)

مولوی سید فیض اللہ صاحب نے اتحادی کارکنوں کے ایک جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

"سیاسی جھگڑے اور رقابتیں نتیجہ ہیں اقتصادی کشمکش اور معاشی رقابتوں کا۔ اگر اتحادی تحریک کے ذریعہ معاشی رقابتوں کو ختم کر دیا جائے، نفع اندوزی کا استیصال ہو جائے اور امیر و غریب میں جو غیر معمولی تفاوت پایا جاتا ہے وہ ایک مناسب سطح اختیار کرے تو آپ ہی ہماری سیاسی رقابتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

مگر قاضی عبد الغفار صاحب کو اس سے سخت اختلاف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک بڑے تاجروں کو من مانے پر آمدات کے پرمٹ نہ ملیں سیاسی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ قاضی صاحب کی رائے کو ہم اس لئے مستند سمجھتے ہیں کہ انہوں نے سیڈس اینڈ گرین مرچنٹس ایسوسی ایشن سے مشورہ کے بعد یہ رائے قائم کی ہے۔

جہاں تک حیدرآباد کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں کوئی حقیقی سیاسیات ہی نہیں ہے۔ سازباز اور خوشامد بیشک یہاں کی سیاسیات ہیں۔۔۔۔۔۔ یہاں عوام کی زندگی کے مسائل کو کوئی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں کی قومی زندگی کی تاریخ بالکل سادہ ہے جو گرتے پڑتے آگے بڑھ رہی ہے۔ (ارشیت موہن، مرداد)

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جہاں حقیقی سیاسیات نہ ہو وہاں ذمہ دارانہ حکومت کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے!؟

مجلس اتحاد الملازمین خانگی کا سالانہ جلسہ بدر شکیب صاحب کی صدارت میں عنقریب منعقد ہوگا (ایک خبر)

جب سے یہ مجلس قائم ہوئی ہے خانگی ملازمین علحدہ ہو گئے ہیں۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

مولوی غلام احمد خاں صاحب وظیفہ یاب صوبہ دار منصب دار نے اپنی ایک نشری تقریر میں فرمایا:-

"تنظیم مابعد جنگ کے تمام ہندوستان میں اور ہمارے پاس بھی محکمے قائم ہو چکے ہیں۔ مگر سوال تنظیم کا نہیں ہے بلکہ ترقی کا ہے"

اگر صاحب موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ترقی کے لئے تنظیم کی ضرورت نہیں ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جو بات آپ نے پچیس سال کے تجربے کے بعد کہی وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے! حکومت سرکار کو چاہئے کہ محکمہ تنظیم مابعد جنگ کو برخاست کر کے اپنے ایک وظیفہ یاب صوبہ دار سے ترقی بلا تنظیم کا مجرب نسخہ حاصل کرے۔

اسی تقریر میں مولوی غلام احمد خاں صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ:-

"جو چیزیں موجود نہ ہوں ان کی تنظیم نہیں کی جا سکتی از سر نو ترقی کی تجاویز پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔"

مثلاً حیدرآباد میں مابعد جنگ تنظیم کے سلسلہ میں سڑکوں کی تعمیر، تعلیمی توسیع، صحت عامہ، برقی قوت کی تولید اور صنعتی نشو و نما سے متعلق منصوبے تیار کئے گئے ہیں۔ صاحب موصوف کے خیال کے مطابق یہ ساری چیزیں موجود نہیں ہیں اس لئے ان کی تنظیم نہیں کی جا سکتی البتہ ان کی ترقی ممکن ہے۔ اگر کوئی صاحب از سر نو غور کرنے کے بعد بھی ہماری اس تشریح کو سمجھ نہ سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں پچیس سال کے بعد یقیناً سمجھ میں آ جائے گی۔

بامداد (بمبئی) کے بلدی انتخابات میں کئی

کانگریسی امیدوار قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ:-

"غریب عوام کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے ہم مالدار لوگوں کے مفاد کو نقصان پہنچائے بغیر غریبوں کی خدمت کریں گے۔"

اگر اس دو عملی میں غریبوں کو نقصان اور مالداروں کو فائدہ پہنچ جائے تو اس میں کانگریسی لیڈروں کا کیا قصور؟

اس ذہنیت کو بھی قابل تعریف نہیں کہا جا سکتا جس کے تحت ہم ہندوستان کی تحریکوں سے الگ رہ کر اپنی موجودہ حالت پر قانع ہیں اور حیدرآباد کے پرانے موقف کو بحال کرنے کی جد و جہد کرنے کی بجائے معاہدات کے نام پر اپنے حقوق کا حساب لگاتے ہیں (حشمت علی صاحب صدیقی شریک مدیر پیام)

گویا حیدرآباد کے پرانے موقف یعنی کامل خود مختاری کو حاصل کرنے کے لئے حیدرآباد کی سیاسیات کو ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے تفویض کر دینا چاہئے۔ آزادی کا کیسا الٹا تخیل ہے۔

مختلف شعبہ جات میں ترقی ملک کی جو تیز رفتاری نئے دن نمایاں ہو رہی ہے وہ یہ امید دلاتی ہے کہ آئندہ ہماری ریاست ابد مدت کا شمار نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے بہترین اور مہذب ترین ممالک میں ہو کر رہے گا۔ (مشیر دکن)

مگر اب تک معاصر موصوف کی نظر صرف تاریک پہلو تلاش کرتی رہی ہے۔

ایک نامہ نگار نے تحریر کیا ہے کہ مسٹر بیلو سے متعلق آپ نے جو تنقید کی ہے وہ میری نظر سے گزری۔ میں مسٹر بیلو سے واقف ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہایت سیدھے سادے انسان ہیں۔ اگر بازار میں سرکاری نرخ پر کپڑا نہیں مل رہا ہے تو اس میں مسٹر بیلو کا کوئی قصور نہیں۔ تاجران پارچہ ان کی نیکی اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہوں گے۔ مسٹر بیلو سے متعلق آپ اپنی بدظنی دور کر دیجئے!

جواباً عرض ہے کہ ہمیں مسٹر بیلو کے شخصی محاسن یا معائب سے کوئی مطلب نہیں۔ ہمیں صرف اس بات سے سروکار ہے کہ آیا سوتی کپڑا بازار میں سرکاری نرخ پر عوام کو مل رہا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں مل رہا ہے تو مسٹر بیلو کو ان کی خوبیوں کے باوجود معاف نہیں کر سکتے اور اگر مل رہا ہے تو ان کی تعریف و توصیف ہمارا فرض ہے۔ اگر تاجران پارچہ مسٹر بیلو کو فریب دے سکتے ہیں تو ہم ایسے کنٹرولر کی تائید کس منہ سے کریں جبکہ شہر کے غربا کپڑے کے لئے ترس رہے ہیں اور مجبور ہو کر [illegible] خرید رہے ہیں۔ براہ کرم ہمارا یہ پیام مسٹر بیلو [illegible]

امداد باہمی کی تحریک سیاسی و معاشی مسائل کا حل پیش کرتی ہے

مولوی سید فضل اللہ صاحب کی تقریر

اتحادی کارکنوں کا ایک عظیم الشان کاروباری اجتماع بروز جمعہ ۳ امرداد ۱۳۵۵ف صدر جمعیۃ امداد باہمی کے دفتر متصل نظام کالج میں بصدارت مولوی سید فضل اللہ صاحب مددگار ناظم امداد باہمی منعقد ہوا۔ علاقہ دیوانی کے جو تعلقات کے نمائندوں کے علاوہ مولوی رضی الدین احمد صاحب معتمد محکمہ بلدیہ، مسٹر لکشمی نارائن گپتا مشیر الیات، مولوی عبد القیوم خانصاحب جنگ ڈائرکٹر حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن، مولوی سید اسمعیل حسین صاحب ناظم تربیت انجمن ہائے امداد باہمی، مولوی محمد صدیق صاحب ملکی افسر محکمہ رسد اور مسیح گروہ عہدہ داران مرسشتہ انجمن ہائے امداد باہمی شریک تھے۔ مندوبین کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تھی جو ہر ضلع وغیرہ سے تشریف لائے تھے۔

مولوی سید فضل اللہ صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں بتایا کہ دیہی افلاس اور مقروضیت کے انسداد کا واحد اور موثر ترین ذریعہ یہی ہے کہ ہر موضع میں ایک ایسا غلہ گودام قائم ہو جہاں سے چھوٹا کاشتکار اور زرعی مزدور بوقت ضرورت کم شرح سود پر غلہ بطور قرض حاصل کر سکے۔ موجودہ عمل یہ ہے کہ ساہوکار اور کومٹی گراں شرح سود پر کاشتکار کو بشکل جنس قرض دیتے ہیں اور جب وہ غریب قرض کی ادائی نہیں کر سکتا تو ہر دیوانی پر اس قرض کو نقد کی صورت میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور اس نقدی قرضہ پر احکام سرکار کے بموجب سالانہ ۱۰ تا ۱۲ فیصد سود عائد کیا جاتا ہے۔ اگر ہر موضع کے کاشتکار کو اس کے پس انداز کئے ہوئے غلہ سے بوقت ضرورت تخم یا غذا کے لئے غلہ ملتا رہے جس کو وہ دوسری فصل پر ایک قلیل منافع کے ساتھ گودام کو واپس کر سکے تو کاشتکار یا زرعی مزدور ساہوکار کے آہنی پنجہ سے رفتہ رفتہ نجات حاصل کرے گا اور دوسری طرف گودام کو جو منافع حاصل ہوگا وہ منافع اسی موضع کے کاشتکاروں میں تقسیم ہوتا رہے گا۔

فاضل مقرر نے فرمایا کہ غلہ گودام اس اتحادی عمارت کا سنگ بنیاد ہے جس کو حکومت غریب اور مفلوک الحال عوام کی فلاح و بہبود کے لئے تیار کر رہی ہے۔ موصوف نے کہا کہ بیوی کے انکلات کا مزید دو تین سال کے لئے قائم رہنا اگر ہے اور اس دوران میں حکومت کی یہ کوشش رہے گی کہ علاقہ خالصہ کے ہر موضع میں ایک مرفع الحال غلہ گودام قائم ہو جائے جو موضع کی اہم اور موقتی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔

مقرر نے فرمایا کہ اتحادی تحریک کی توسیع اور کامیابی کے لئے موجودہ زمانہ ہر لحاظ سے مساعد ہے۔ نواب سر سید احمد علم بہادر آنریبل مسٹر گرگسن آنریبل مسٹر سید محمد اعظم آنریبل نواب لیاقت جنگ بہادر آنریبل دیوان بہادر آر مودا آئینگر مسٹر ہیاج مولوی رضی الدین احمد صاحب اور مسٹر لکشمی نارائن گپتا اتحادی تحریک کی اہمیت اور افادیت پر کامل ایقان رکھتے ہیں اور اس تحریک کے زبردست حامی رہے ہیں۔ اس ضمن میں مولوی سید فضل اللہ صاحب نے مولوی غلام محمد صاحب سابق صدر المہام فینانس کی دلچسپی اور رہنمائی کا بھی اعتراف کیا اور کہا کہ حیدرآباد کی تاریخ میں ایسی موافق فضا اتحادی تحریک کو آج تک نہیں ملی۔

فاضل مقرر نے بطور خاص مسٹر گرگسن اور مسٹر ہیاج کی تحریک اتحاد کی سے دلچسپیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ حکومت کی ساری کوششیں فی الوقت اسی امر پر مرکوز ہیں کہ حیدرآباد کی دیہی معیشت اتحادی اصول پر مستقلاً قائم ہو جائے۔ ہر تعلقہ میں ایک یونین قائم کی جا چکی ہے جو رفتہ رفتہ اس تعلقہ کی زرعی پیداوار کی نکاسی اور ضروری اشیاء و احتیاج کی فراہمی اور تقسیم کی ذمہ دار بنائی جائیں گی۔

حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کو اتحادی اصول پر ڈھال کر ایک مستقل ادارہ کی حیثیت سے قائم اور کارگذار رکھا جائے گا۔ اس ادارہ کا نام حیدرآباد کوآپریٹیو کارپوریشن ہوگا۔ جس کو حکومت سرکار عالی اور حیدرآباد اسٹیٹ بنک کی کامل سرپرستی حاصل ہوگی۔

مسٹر فضل اللہ نے کہا کہ حکومت سرکار عالی کی یہ پالیسی نہ صرف حکومت ہند بلکہ برطانوی ہند کے جملہ صوبوں اور ریاستوں میں منظر استحسان دیکھی جا رہی ہے اور حکومت ہند کا خود یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہی اصول کو ہندوستان کی معیشت میں داخل کرے۔ موصوف نے اپنے اس ایقان کا اظہار کیا کہ حیدرآباد کا مستقبل نہایت شاندار اور مرفع الحال ہوگا۔

مالک محروسہ کے باشندے جو مختلف زبانیں بولتے ہیں اور مختلف مذاہب کے پیرو ہیں اتحادی تحریک ہی کے ذریعہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے ملک کے سیاسی اور معاشی مسائل کا ایسا حل پیدا کر سکتے ہیں، جو پر امن بھی ہو اور ترقی پذیر بھی۔

صاحب موصوف نے کہا کہ سیاسی جھگڑے اور رقابتیں نتیجہ ہیں اقتصادی کشمکش اور معاشی رقابتوں کا۔ اگر اتحادی تحریک کے ذریعہ معاشی رقابتوں کو ختم کر دیا جائے، نفع اندوزی کا استیصال ہو جائے اور امیر و غریب میں فی الوقت جو غیر معمولی تفاوت پایا جاتا ہے وہ ایک مناسب سطح اختیار کرے تو آج ساری سیاسی رقابتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حکومت اور پبلک کارکنوں کا مشترکہ مطمح نظر یہی ہو سکتا ہے کہ افلاس کی جڑیں کٹ جائیں، ہر کاشتکار اور مزدور پیٹ بھر کھانا اور تن بھر کپڑا حاصل کر سکے۔ پر امن طریقہ پر اس عظیم الشان مقصد کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ تحریک امداد باہمی ہے جس کو وہ اتحادی تحریک کہنا پسند کرتے ہیں۔

اتحادی کارکنوں کو مخاطب کرتے ہوئے مولوی سید فضل اللہ صاحب نے کہا کہ ہندوستان کی نظریں آپ کی مساعی پر لگی ہوئی ہیں۔ آپ کا مقصد نیک ہے۔ فضا موافق ہے اور حکومت کی ساری توانائیاں آپ کے پس پشت ہیں۔ آپ کی کامیابی حیدرآباد کے شاندار مستقبل کی ضمانت ہے۔ ابتدائی دور میں آپ کی تحریک میں ضرور کچھ خامیاں رہیں گی۔ آپ کو مخالفتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ آپ کو ناکام کرنے کی کوشش کی جائے گی لیکن چونکہ آپ کا مقصد نیک ہے اور آپ کے بہی خواہ آپ کے مخالفین سے زیادہ قوی اور باہمت ہیں اس لئے آپ کی کامیابی یقینی ہے۔

اس تقریر کے بعد مختلف تحریکات پیش ہوئیں۔ یونین کے کاروبار میں روزمرہ مشکلات کو اٹھایا گیا اور ان کو رفع کرنے کی تدابیر پر غور کیا گیا۔ یہ کانفرنس تقریباً (۴) گھنٹے جاری رہی۔ اس کے دوران میں اتحادی کارکنوں کی جانب سے امور ذیل پر بطور خاص زور دیا گیا۔

(۱) سوت، سوتی پارچہ، شکر، گاکھن دار وغیرہ کی فراہمی اور تقسیم میں تعلقہ یونین کو موثر آواز حاصل ہونی چاہئے۔

(۲) غلہ گودام کے لئے ہر موضع میں ایک پختہ گودام کی تعمیر ہونی چاہئے۔

(۳) رقوم کی ادائی کے لئے یونین کو خزانہ کی جانب سے رسید رسانی اور چک کی اجرائی کی سہولت حاصل ہونی چاہئیں۔

(۴) قرضہ کی انجمنوں اور جدید انجمنوں میں ربط و تعلق پیدا کرنے کی کوئی سبیل ہونی چاہئے۔

(۵) مختلف یونین کے کاروبار کی جانچ فی الفور عمل میں لائی جائے۔ وغیرہ۔ اختتام جلسہ پر مندوبین کی جانب سے مولوی سید فضل اللہ صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا اور عبد الکریم صاحب نمائندہ نے کہا کہ حیدرآباد ہی ایک ایسی ریاست ہے جہاں اتحادی ...

(بقیہ صفحہ ۱۰)

بحرالکاہل کی جنگ

جاپان نازیوں کی تقلید کر رہا ہے

ان دنوں اوکی ناوا کے جزیرے میں جو جاپان سے صرف تین سو میل دور ہے گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے امریکہ کی بحری اور بری فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جاپان نے اپنا خفیہ ہتھیار بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس کے خفیہ ہتھیار کا نام "خودکشی کے ہوائی جہاز" ہے۔ ان ہوائی جہازوں میں انتہائی مہلک قسم کا پھٹنے والا سامان جنگ بھرا جاتا ہے اور جاپانی ہوا باز اپنے جہاز کو امریکی بحری جہازوں سے ٹکرا دیتا ہے اس کی وجہ سے امریکہ کو کافی نقصان پہونچا ہے۔ چنانچہ ۱۵ مارچ سے ۲۳ مئی تک (۹۶۰۹۱) امریکی سپاہی ان "خودکشی کے جہاز" کے بدولت مارے گئے۔

جاپانی اوکی ناوا کے جزیرے پر اس لئے جان توڑ کر لڑ رہے ہیں کہ جاپان کی لڑائی میں اس جزیرے کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں کے ہوائی اڈوں سے امریکی ہوائی جہاز جاپان کے صنعتی علاقوں پر زبردست بمباری کر سکتے ہیں اور امریکی فوجیں چین کے ساحل پر یا خود جاپان کے ساحل پر اتاری جا سکتی ہیں۔

اوکی ناوا کی جنگ میں جاپانیوں کا بھی کافی نقصان ہوا ہے۔ ان کے ڈھائی ہزار ہوائی جہاز تباہ ہوئے ہیں اور پچاس ہزار سپاہی کام آئے ہیں یا گرفتار ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۳ جون کو ٹوکیو ریڈیو نے اعتراف کیا کہ "اوکی ناوا کی صورت حال کافی تشویش ناک ہے۔"

اس درمیان میں امریکی ہوائی جہازوں نے ٹوکیو اور اس کے آس پاس کے صنعتی علاقوں پر زور سے بمباری کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۵۱ مربع میل کا علاقہ بالکل برباد ہو گیا ہے۔ جاپانی اخبار "جپن ٹائمس" کا بیان ہے کہ جاپان کو اس بمباری میں جو نقصان پہونچا ہے وہ ۱۹۲۳ء کے تباہ کن زلزلے سے بھی زیادہ ہے۔ اس زلزلے میں تین چوتھائی ٹوکیو برباد ہو گیا تھا اور ساٹھ ہزار آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ ٹوکیو ریڈیو نے صوبائی حکومتوں کو بھی متنبہ کیا ہے کہ اگر مرکزی حکومت سے ان کا ناطہ ٹوٹ جائے یا انہیں بروقت ہدایت نہ پہونچ سکے تو انہیں اپنی مرضی سے کام کرنا چاہئے۔

جاپان میں معاشی ابتری بھی زوروں پر پھیلی ہوئی ہے۔ روسی ماہر اقتصادیات [illegible] کا کہنا ہے کہ جنگ کے حالات جس رفتار سے ابتر ہوتے جاتے ہیں جاپان کی معاشی حالت بھی اسی رفتار سے خراب ہوتی جاتی ہے۔ ماہر فن مزدوروں کی کمی، سامان غذا کی قلت اور دوسرے مسائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے جاپان بڑی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ امریکی بمباریوں نے پیداوار کو اور زیادہ دھکا پہنچایا ہے۔ اس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ لوگ محسوس کرتے جاتے ہیں کہ جاپانی سامراجیوں نے جو جنگ شروع کی تھی اس کے جیتنے کی اب کوئی صورت باقی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جاپان کے حکمران حلقے عوام میں مستعدی پیدا کرنے اور اپنی نازک جنگی پوزیشن کو مضبوط کرنے کی خاطر نئی نئی تدبیریں اختیار کر رہے ہیں۔

چنانچہ پرانی فاشسٹ جماعتوں کو توڑ دیا گیا ہے مثلاً "امپیریل رول اسوسی ایشن" اور "امپیریل رول پولیٹیکل اسوسی ایشن" کو توڑ دیا گیا ہے اور ایک نئی سیاسی جماعت بنائی گئی ہے جس کا نام دے نی پان سے جی کائی (جاپان پولیٹیکل اسوسی ایشن) ہے۔ اس جماعت کا ایک مقصد لوگوں کو نئے سرے سے سامی جنگ کے نام پر متحد کرنا ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ جاپان کے فاشسٹ ڈھانچے کو توڑنے کی طرف پہلا قدم اٹھایا جائے۔ اب کہ فوجی شکست کے دن قریب آ رہے ہیں اور ملک کی سیاسی حالت فاشسٹوں کے قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہے یہ لوگ خود اپنی مرضی سے ان لوگوں کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں جو فاشسٹوں کے ساتھ بہت زیادہ گھلے ملے نہیں تھے اور جاپان میں اعتدال پسند قدامت پرست سمجھے جاتے ہیں۔

جاپان کے فاشسٹ بعینہٖ وہی سیاسی حربے استعمال کر رہے ہیں جو جنگ کے آخری دنوں میں نازی نے استعمال کئے تھے۔ جب ہار ناگزیر ہو جائے تو پھر یہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ تھوڑی سی انفرادی تبدیلی کے بعد ملک کے سامراجی اور فاشسٹ ڈھانچے کو برقرار رکھا جائے۔ اور اتحادیوں کو یہ فریب دیا جائے کہ دیکھئے ہم نے اپنے ملک میں اب فاشسٹ حکمرانوں کا راج ختم کر دیا ہے اس لئے ہم سے باعزت صلح کر لیجئے۔ ہٹلر نے اسی غرض سے ڈونٹز کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔

جاپان کے فاشسٹ سیاسی اور [illegible] مسائل کی حد تک وہی پالیسی اختیار کر رہے ہیں جو کہ وہ میدان جنگ میں استعمال کر رہے ہیں۔ پچھلے دو ہفتے کی سب سے اہم خبر یہ ہے کہ جاپانی فوجیں جنوبی چین کے مورچے سے پیچھے ہٹتی جا رہی ہیں۔ انہوں نے نیننگ، چیکیانگ اور دوسرے اہم اڈوں کو خالی کر دیا ہے۔ یہ وہ شہر ہیں جو ہنچو اور سنگاپور کے درمیان جاپانی ریلوے پر واقع ہیں اور اسی ریلوے لائن سے جاپانی سنگاپور وغیرہ کو رسد اور سامان جنگ بھیجتے تھے۔ ان شہروں کو خالی کر دینے سے ان فوجوں کا جو جاپان سے بالکل ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے جو چین، ملایا اور جزائر شرق الہند میں مقیم ہیں پھر بھی جاپان جنوبی چین سے ہٹ رہا ہے۔ کیوں؟

کیا اس کا سبب یہ ہے کہ چینی حکومت کی فوجیں جن کو پچھلے سات سال میں تقریباً ہر جنگ میں جاپانیوں کے مقابلے میں پیچھے ہٹنا پڑا تھا دفعتاً اتنی مسلح ہو گئی ہیں کہ اب وہ جاپانیوں کو ان علاقوں سے نکال رہی ہیں۔ نہیں۔ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ جنرل ویڈمیر نے جو چین میں مقیم امریکی فوجوں کے سپہ سالار ہیں ۸ جون کو پریس کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ "جاپانی فوجیں جنوبی چین کے راستے سے از خود پیچھے ہٹ رہی ہیں"۔ ۲۹ مئی کو رائٹر کے نامہ نگار نے چنگ کنگ سے اطلاع دی کہ یہاں کے تمام فوجی حلقے اس بات پر متفق ہیں کہ چین میں مقیم جاپانی فوجیں دریائے یانگ ٹی سی اور غالباً دریائے زرد کے اتر تک ہٹنے کا عزم رکھتی ہیں۔ نیننگ اور دوسرے شہروں سے جن کو چینی فوجوں نے قبضہ کیا ہے کوئی ایسی خبر نہیں آئی ہے جس سے پتہ چلا ہو کہ جاپانیوں نے مقابلے کے بعد ان شہروں کو خالی کیا۔ جہاں وہ مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً اوکی ناوا میں وہاں وہ خوب جم کر لڑتے ہیں۔ اس سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ جاپانی جنوبی چین سے بلا لڑے ہوئے ہٹ رہے ہیں۔ کیوں؟

جاپان بھی وہی چال چلنا چاہتا ہے جو ہٹلر نے چلی تھی۔ ہٹلر نے اتحادیوں میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے اپنی فوجوں کو مغربی یورپ کے مورچے سے ہٹا کر روسی مورچے پر متعین کر دیا تھا اور مغربی یورپ کے اتحادیوں سے صلح کے لئے نامہ و پیام بھی شروع کر دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ برطانیہ اور امریکہ سے صلح کر کے روس سے لڑے۔ چنانچہ نازی فوجیں اس وقت بھی روسیوں سے لڑ رہی تھیں جب مغربی یورپ میں ان کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جرمنی کا زیادہ سے زیادہ علاقہ برطانوی اور امریکی حکومتوں کے قبضے میں آئے تاکہ نازیوں کو اپنی سیاسی تنظیم کو بچانے کا موقع مل سکے۔ جاپان بھی اسی پالیسی کے تحت اپنی فوجوں کو شمالی چین اور منچوریا کی طرف ہٹا رہا ہے۔ شمالی چین میں اس غرض سے کہ ان آٹھ لاکھ کمیونسٹ فوجوں کو تباہ کیا جا سکے جو سات سال سے جاپانیوں کا ناک میں دم کئے ہوئے ہیں۔ منچوریا میں اس غرض سے کہ روسیت

...ین کو مشرق کے مسائل میں دخل دینے سے روکا جائے گا
چیانگ کائی شک اور اس کے ساتھی چین
کی کمیونسٹ فوج سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اسی وجہ
سے جاپانیوں کو امید ہے کہ جب وہ اس فوج پر حملہ
کریں گے تو چیانگ کائی شک کی حکومت کو کوئی اعتراض
نہ ہوگا اور اس کمیونسٹ فوج کی تباہی کے بعد
چیانگ کائی شک سے سمجھوتہ کرنے میں آسانی ہوگی۔
...جب تک یہ فرق باقی ہے وہ سمجھوتہ نہیں ہو سکتا
اس خطرے کو محسوس کر کے چین کی کمیونسٹ
پارٹی نے ایک اعلان میں حکومت سے اپیل کی ہے کہ
وہ پورے چین کو متحد کرنے کی کوشش کرے اور حکومت
جمہوری بنیاد پر چلائے۔ اسی طرح جنرل چو تہ سے
کمیونسٹ فوج کے سپہ سالار نے اپیل کی کہ چینی کمیونسٹ
فوج ان تمام عناصر کو متحد کرنا چاہتی ہے جو جاپان سے
لڑ رہے ہیں۔ ایک متحدہ فوجی کمان قائم ہونی چاہئے
ایک فوجی پروگرام تیار کرنی چاہئے تاکہ وہ جتنی ممکن
قوتوں کے ساتھ مل کر جاپانی حملہ آور کو شکست
دی جاسکے۔ اور ایک آزاد خوش حال جمہوری اور متحدہ
چین کی بنیاد قائم کی جاسکے۔"
کو من تانگ پارٹی چین میں اپنی
ڈکٹیٹری کو برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ چنانچہ وہ کسی
سمجھوتے یا تبدیلی کے لئے تیار نہیں چین کے دارالسلطنت
چنگ کنگ سے خبر آئی ہے کہ صوبہ کوانگسی کے حکام
نے چین کے کمیونسٹ چھاپے ماروں کے چار رہنماؤں
کو بغاوت کے الزام میں قتل کر دیا ہے۔
کو من تانگ پارٹی کا یہی آمرانہ طرز عمل ہے
جو جاپان کے خلاف متحدہ محاذ بنانے میں حائل ہے
اور اسی کمزوری سے جاپانی فاشست فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مراسلات

مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کی دہشت انگیز تقریر

جناب ایڈیٹر صاحب "خلافت"

سالگرہ جماعتِ ... کے جلسہ میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب نے انتخابات اندیہ کے متعلق جو دہشت انگیز تقریر کی وہ ایک زمہ دار قائد کے ہرگز شایان شان نہ تھی۔ اگر مولوی صاحب سمجھتے ہیں کہ مجلس کے ... و قاعدہ کو سنبھالنے کو یہی ایک ذریعہ باقی رہ گیا ہے تو مولوی صاحب مجلس پر بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ میں ... کارکن اور ... جو مسائل عامہ ... کہتے ہیں ... جاتا ہے کہ ... جہاں ... مالک ... انتخابات ... کے مقابلہ میں بہت غنیمت ہیں۔ ... کی ... باقی کی قلت ... کے انتخابات میں ... کی وجہ سے خامیاں ضرور ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ان خامیوں کو رفع کرنے کی کوشش برابر جاری ہے ... اور دیکھتے ہیں کہ ... کی مخالفت ... انتخابات میں بہتری پیدا کرنے کی مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ... کو ... قرار دیا جانا ... اور خواہوں کے معیار کو ایک مناسب سطح پر لایا جائے تو ... کی جہتوں میں ... ممکن ہوگی۔ یہ ... تھا لیکن اہم بات جو سمجھ سکتی تھی یہ ہے کہ مولوی صاحب کے لئے یہ ہرگز جائز نہ تھا کہ ... صورت حال کا ایک بھیانک نقشہ پیش کر کے ایک جانب عوام میں غیر ضروری دہشت پھیلانے کی کوشش کریں اور دوسری جانب حکومت کو مرعوب کرنے کے لئے اس ... ہتھیار کو استعمال کریں اور ان سب امور کے علاوہ ... کی مبارک تقریب قطعی ایسی تقریر کے لئے موزوں نہ تھی۔

افسوس معلوم ہوتا ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین کی صدارت کے لئے نواب بہادر یار جنگ مرحوم کا کوئی صحیح جانشین مجلس کو نہیں ملا۔ ... مرحوم کے سیاسی نظریوں سے خواہ کسی کو اتفاق ہو یا اختلاف لیکن یہ بات ماننی پڑے گی کہ مرحوم بڑے موقع شناس ... تھے۔ ... ان میں بڑی صلاحیت تھی لیکن مولوی صاحب خود ... اور مجلس کو ... سنبھلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے ...

محمد عبد الکریم

میڈیکل کالج علیگڑھ کی مالی امداد کیلئے

نواب محمد اسمٰعیل خان صاحب صدر مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ کی پرزور اپیل

ضعیف ڈاکٹری میں مسلمانوں کی قلت تعداد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس تعلیم کے حاصل کرنے کے مواقع دستیاب نہیں ہوتے۔ اس صوبہ میں صرف دو میڈیکل کالج ہیں جن میں مسلمانوں کا داخلہ دقت اور بہت ہی کم ہوتا ہے مسلم لیگ کے مسلسل اور پیہم مطالبہ کے باوجود اب تک کوئی قابل قدر کامیابی نہ ہو سکی چنانچہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہمارے صوبہ کے تعلیمی مرکز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے تجویز کیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر تحت ایک میڈیکل کالج کھولا جائے تاکہ مسلمانوں کو اس تعلیم کے حصول میں جو دشواری درپیش ہے وہ رفع ہو۔

اس تجویز کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کافی سرمایہ کی ضرورت ہے اور ... بہت ذمہ داری کا کام ہے اس لئے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ متعدد اصحاب کے وفود مختلف مقامات پر پہنچیں اور اس کام کو سرانجام دینے کے لئے سرمایہ بصورت عطیات فراہم کریں۔

اس سلسلہ میں اراکین وفود کو یقیناً مقامی اصحاب کے تعاون کی ضرورت ہوگی میں صدر ... ضلع و شہری لیگوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس نیک اور مبارک مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے اراکین وفود کی پورے جوش اور خلوص سے امداد اور اعانت فرمائیں۔ یہ ہمارا قومی فریضہ ہے اور ہمیں اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

یوروپی وظائف

حال ہی میں ... پریس کے حوالے سے بعض مقامی اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ ایک سو طلبا اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھیجے جائیں گے۔ اس اطلاع کی بناء پر دفتر معتمدی تعلیمات ... میں استفسارات اور درخواستیں وصول ہو رہی ہیں۔ اندریں صورت اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جنگ کے بعد صنعتی و تجارتی کاروبار کے پھیلاؤ کے مدنظر علمی ٹریننگ کے متعلق تجاویز بیشک حکومت کے زیر غور ہیں لیکن فی الوقت اس سلسلہ میں درخواستیں طلب نہیں کی جا رہی ہیں۔ جب یہ تجاویز منظور ہو جائیں گی تو ان کا اعلان کیا جائے گا اور اس کے بعد امیدواروں کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ لہٰذا فی الوقت اس سلسلہ میں درخواستیں وغیرہ نہ بھیجی جائیں۔

اطلاعات

جرمنی کو کس طرح شکست ہوئی

بقیہ سلسلہ صفحہ (اول)

اس کے بعد سے جرمنی نے مدافعانہ روش اختیار کی اور اس انتظار میں تھا کہ روس سے امریکہ اور برطانیہ کا اتحاد منقطع ہو جائے۔

روس کے محاذ پر شکست اور مشرق وسطی کی مہم کی ناکامی کے بعد سے جرمنی کی صورت حال میں ابتری پیدا ہو گئی۔ اگر جرمنی مغربی محاذ پر نارمنڈی میں متحدین کے حملہ کو روک سکتا تو حال بدل جاتی لیکن جرمنی نے متحدین کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ نارمنڈی کے حملہ کی اہمیت کو اس نے محسوس نہیں کیا یہاں اس نے اپنی زیادہ قوت مرکوز نہیں کی بلکہ یہ توقع تھی کہ روس سے مغربی دول کا اتحاد زیادہ دن قائم نہیں رہے گا۔

جیسا کہ متعدد بار ثابت ہو چکا ہے جرمنی کی شکست کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس ایسی بحری طاقت نہیں جو برطانیہ کو چیلنج دے سکے۔ اگرچہ جرمنی کی آبدوز کشتیاں بہت کامیاب رہیں لیکن بالآخر وہ بھی غیر موثر ثابت ہوئیں۔ جنگ کے آخری دور میں جرمنی نے نئے ہتھیار ایجاد کئے۔ ان سے متحدین کو کافی نقصان پہونچا لیکن وہ متحدین کی پیش قدمی کو روک نہ سکے۔

بہرحال جرمنی کی شکست کے کئی اسباب ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسٹالن گراڈ کی لڑائی نے جنگ کا رخ بدل دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ مشرق وسطی کی مہم اس کی ذمہ دار ہے۔ اگر جرمنی کو مشرق وسطی میں شکست نہ ہوتی تو وہ مشرق وسطی کی جانب سے بھی روس کو گھیر لیتا۔ مشرق وسطی میں متحدین کی فتح کا سہرا ہندوستانی سپاہیوں کے سر ہے۔ اس سے قطع نظر یہ جنگ درحقیقت جنگی پیداوار (اسلحات) اور اس کی رفتار کی جنگ تھی۔ اس اعتبار سے متحدین کی کامیابی کا سب سے بڑا عنصر امریکہ ثابت ہوا۔ جرمنی کو جنگی پیداوار رفتار میں شکست دی گئی۔

شام و لبنان کی آزادی پر حملہ

بقیہ سلسلہ صفحہ (۳)

دبیچ کا دینا چاہتا تھا۔ تو جو جس نے چین کو تاخت و تاراج کرتے ہیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی انتہائی ریاکاری سے ہندوستان کی آزادی کی آواز لگاتا ہوا ہماری سرحدوں تک آ پہنچا تھا۔ ٹھیک اسی طرح وہ انگریز سامراجی جنہوں نے نہرو اور آزاد کو جیلوں میں بند کر رکھا ہے اور جو ہم ہندوستانیوں کو آزادی کی نعمت سے ہمیشہ محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ آج شام و لبنان کی آزادی کی حمایت میں آواز اٹھا رہے ہیں اس لئے انگریزوں اور ان کے گماشتے جو اس وقت مصر، عراق اور شرق اردن میں حکومت کر رہے ہیں اب شام و لبنان کی آزادی کی حمایت میں آواز بلند کریں تو ہمیں فوراً سمجھ لینا چاہئے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ فرانس کو نکال کر ان ملکوں پر خود اپنا اقتدار قائم کریں۔

۲۸ مئی کو بیروت سے خبر آئی ہے کہ اگر فرانس اور شام کے اختلافات ختم نہ ہوئے تو انگریزوں کی سپاہ جو جنگی تربیت کے لئے شام بھیجی گئی تھی۔ مداخلت کرے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شام و لبنان کے لوگوں کی آزادی کی جدوجہد فائدہ اٹھا کر انگریز اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔

شام و لبنان کی آزادی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم فرانسیسی سامراجیوں کی مخالفت کیساتھ ساتھ انگریز سامراجیوں کی مخالفت کا پردہ بھی چاک کریں۔ ورنہ اس بات کا سخت خطرہ ہے کہ فرانس کے بعد ان ملکوں پر انگریزی سامراج پرست اپنی عملداری قائم کریں۔

امداد باہمی کی تحریک سیاسی و معاشی مسائل کا حل پیش کرتی ہے

بقیہ سلسلہ صفحہ (۲)

جنگ کو حیثیت امن کی اصلاح و ترقی کے لئے استعمال کیا گیا۔ جنگ اور قوانین جنگ کی زحمتیں رائیگاں نہیں گئیں اور قومی توقع پیدا ہو گئی ہے کہ حیدرآباد کا مابعد جنگ دور حقیقی معنوں میں ایک باثروت مرفع الحال اور ترقی پذیر دور ہوگا۔

جلسہ مسرت سالگرہ ہمایونی

نواب سعید الملک بہادر صدر اعظم مملکت آصفیہ کی صدارتی تقریر

حیدرآباد ۔ ۱۰ امرداد ۔ نواب صدر اعظم بہادر نے جلسہ مسرت سالگرہ ہمایونی کے موقع پر جو ٹاؤن ہال (باغ عامہ) میں ۱۰ امرداد [illegible] کو منعقد ہوا تھا حسب ذیل صدارتی تقریر فرمائی۔

حضرات ۔ آج ہمارے ہر دلعزیز آقائے ولی نعمت اعلیٰ حضرت آصف سابع خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ [illegible] کی سالگرہ کا مبارک و مسعود دن ہے۔ میں سب سے پہلے آپ حضرات کو دکن کی اس قومی عید کی مبارکباد دیتا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں بصد اخلاص دست بدعا ہوں کہ ہماری اس مسرت کا اعادہ ہمیشہ ہمیشہ ہو۔ سالگرہ چاہے وہ کسی فرد کی ہو بجائے خود ایک پرمسرت تقریب ہے۔ لیکن جو سالگرہ قومی عید اور جشن فلاح کی نوید بن کر آئے۔ اس کی مسرتوں کے کیا کہنے۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت ظل سبحانی کی سالگرہ مبارک مملکت بلدہ حیدرآباد کے امن و امان عظمت و رفعت اور بیدار بختی کی سالگرہ ہے۔

مملکت آصفیہ کو مبارک دور عثمانی میں یہ امتیاز حاصل ہے جو اس سے پہلے اسے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ریاست میں جتنی ترقیاں ہوئی ہیں اور رعایا کی بہبودی اور خوشحالی کے جو وسائل فراہم کئے گئے ہیں اور کئے جارہے ہیں۔ وہ سب دور عثمانی ہی کے رہین منت ہیں۔ جو لوگ ہماری ریاست کی تاریخ سے واقف ہیں انہیں مبارک دور عثمانی سے پہلے کی حالت اور موجودہ حالت میں بین فرق نظر آتا ہے۔ اس فرق کے اسباب کی تلاش ہمیں اس نقطہ تک پہنچاتی ہے کہ جو ہماری حیات قومی کا مرکز ہے۔ جس کا کردار قابل تقلید جس کا تدبر مسلم اور جس کی رواداری ضرب المثل ہے جو "خادم خلق اللہ" ہونے کو اپنا "طرہ امتیاز" سمجھتا ہے اور جس کی نگاہوں میں کوئی پست ہے اور نہ کوئی بلند۔ جب ان صفات کا مالک برسر اقتدار آیا تو صبح سعادت طلوع ہوئی۔ اسی نے اپنی پسندیدہ روایات عالیہ سے اپنے پوشیدہ وسائل اور مستقبل سے اپنے حیات بخش امکانات کی تمہید گذاری اور مملکت حیدرآباد کی تعمیر کے نقشے مرتب ہونے لگے اور ترقی کی نئی نئی شاہراہیں کھلنے لگیں۔ اس دور کی ابتدا ہی میں وہ اہم واقعہ پیش آیا جو جنگ عظیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کے اثرات سے دنیا کا کوئی ملک نہیں بچ سکا۔ جنگ عظیم کی وجہ سے جو عالمگیر ہیجان پیدا ہو گیا تھا اسے کبھی اس کے اثرات کی روک تھام کرنا اور پھر ساتھ ہی ساتھ ترقی کے راستہ پر گامزن رہنا انتہائی فراست اور تدبر کا طالب تھا۔ دور عثمانی کی ہمہ جہتی ترقی اس امر کا ثبوت ہے کہ حضرت ظل اللہ میں وہ سب خوبیاں موجود ہیں جن کی ضرورت نازک موقع پر رعایا کی قیادت کے لئے پیش آتی ہے۔

ریاست کی جدید تنظیم اور ترقی کے سلسلہ میں حضرت حکیم السیاست کی نگاہ دوربین و دقیقہ رس نے جن اہم امور کو پیش نظر رکھا ان میں سے ایک برطانوی ہندوستان سے ربط ضبط کے قیام اور دوسرا دنیا کی قوموں کی صف میں مملکت حیدرآباد کے لئے مقام پیدا کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو حکیمانہ تدابیر اختیار فرمائی گئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان کو جو ریاست کی سرکاری زبان بھی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا وسیلہ قرار دیا گیا۔ نظم و نسق کے جملہ شعبوں میں ہر قسم کی رواداری کو کار فرما کرکے مملکت آصفیہ کی سیاسی وحدت کو اجاگر کیا گیا۔

اپنی سیاسی انفرادیت اور معاشی وحدت کو قائم رکھتے ہوئے جب مملکت آصفی نے ہندوستانی قومیت کے ایک زبردست خود مکتفی جزو کی حیثیت حاصل کر لی تو حضور اقدس نے اقوام عالم کی صف میں اپنی مملکت کے لئے شایان شان مقام حاصل کرنے کے لئے دولت مشترکہ برطانیہ سے اپنے رشتہ اتحاد کو اس درجہ مضبوط کیا کہ "یار وفادار" کہلانے لگے اور پھر انسانیت کی دشمن قوتوں کے خلاف کا بیا اس اہم جنگ میں برطانیہ عظمیٰ اور اتحادیوں کا ہاتھ بٹا کر یہ ثابت کر دیا کہ یار وفادار کا یہ رشتہ اتحاد عارضی یا رسمی نہیں بلکہ حقیقی اور مستحکم ہے۔

غرض اعلیٰ حضرت ظل سبحانی کے سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی حیدرآباد کو اپنے شاندار مستقبل کی ضمانت مل گئی۔ مکمل اہتمام اور پیش بندیوں کے ساتھ ریاست میں اصلاح اور ترقی کی تحریکیں شروع ہو گئیں نظم و نسق کی اصلاح رعایا کی سماجی اصلاح اور قومی تعمیر کے کام وسیع پیمانہ پر جاری ہو گئے۔

کسی ریاست کی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مادی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اس ملک کے ذہنی شعور کو بیدار نہ کیا جائے جس کے لئے تعلیم کو عام کرنا ضروری ہے اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے اور بہتر مستقبل کی طرح اندازی کی غرض سے جامعہ عثمانیہ کے قیام کو شرف منظوری عطا فرمایا جس کی بدولت ایک طرف علم و فنون اجنبی زبانوں کی بندشوں سے آزاد ہو گئے تو دوسری طرف مشترکہ زبان کے ذریعہ مشترکہ قومیت کے احساس کے نشوونما کے لئے ماحول سازگار ہو گیا۔

سررشتوں کی از سر نو تنظیم

نظم و نسق کی اصلاح اور قومی تعمیر کی پیش رفت میں پرانے سررشتوں کی از سر نو تنظیم کی گئی نئے سررشتے مثلاً زراعت۔ امداد باہمی۔ آرائش بلدہ۔ آثار قدیمہ۔ لاسلکی اور ہوا بازی کا قیام عمل میں آیا۔ مالگذاری وصول کرنے کے لئے قوانین قائم کی گئیں۔ اس مجلس کی ہیئت ترکیبی اور مفوضہ فرائض میں جدید اصلاحات کی رو سے بہت کچھ توسیع عمل میں آئے گی اور مجھے امید ہے کہ عنقریب اس کو قائم کیا جا سکے گا۔ مرکزی حکومت کی توسیع اور ترقی کے ساتھ مقامی مجالس بلدی کے قیام اور ترقی کی طرف بھی مسلسل توجہ جاری ہے۔

آئندہ ان اداروں کا قیام اور تنظیم بڑی حد تک مرکزی ادارہ کے نمونہ پر کی جائے گی اور اسی طرح حکومت خود اختیاری کے اصول پر شہروں اور دیہات کی صفائی روشنی اور سڑکوں وغیرہ کا انتظام عمل میں آئے گا۔

اعلیٰ حضرت بندگان اقدس کی عظیم الشان قیادت میں ممالک آصفیہ کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے جو اسباب پیدا کئے جارہے ہیں ان سے سب واقف ہیں صنعت و حرفت کی ترقی معدنی اور زرعی وسائل کی فراہمی صنعتوں کی ترقی محتاج صنعتوں کی امداد کے لئے انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ کی فراہمی صنعتی تجربہ خانہ کا قیام تجارت کی ترقی اور توسیع ریل اور سڑک کے ذریعہ آمد و رفت کے ذریعہ میں ربط قائم کرنے کی تدبیریں جن سے تجارت اور [illegible] ہر موسم کے فائدے حاصل ہو رہے ہیں طغیانیوں کی تباہ کاریوں کو روکنے اور شہری ضرورتوں کے لئے عثمان ساگر نظام ساگر اور ڈنڈی پراجکٹ کی تعمیر۔ محبوب نہر کی توسیع وغیرہ پراجکٹ اور پالیر پراجکٹ کی تعمیر اور دیہات میں [illegible] کا انتظام منجملہ ایسے پراجکٹ جو گزشتہ ۵ سال سے اور حکومت حیدرآباد کے درمیان ایک [illegible] عہد عثمانی کے وہ درخشاں کارنامے ہیں جو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔ اسی سلسلہ میں کوئلہ کی کان کی خریداری ایک کروڑ پچاس لاکھ میں ایک ایسا اقتصادی کارنامہ ہے کہ جو آئندہ کی اقتصادی ترقی کا ضامن ہوگا۔ کوئلہ کی کان کے ساتھ کان کنی کے بعض دیگر امتیازات بھی اس کمپنی کو دیئے گئے تھے جن قیود سے آج حیدرآباد بحمد اللہ آزاد ہے جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ سارے [illegible]

اور رفاہی کام وہ انسانیت سوز جنگوں کے درمیان جاری ہے تو ان کی اہمیت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ مبارک دور عثمانی کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ عالمگیر جنگوں اور کساد بازاری کے باوجود مملکت کے تعمیری شعبوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ آج ہماری زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس مبارک دور کے درخشاں نقوش ثبت نہ ہوں۔

برطانیہ عظمیٰ کے یار وفادار اور اتحادی ملکوں کے ساتھی کی حیثیت سے ہماری ریاست نے جنگ کے کامیاب اختتام میں جو نمایاں حصہ لیا ہے وہ بھی اس عہد کا ایک بڑا امتیاز ہے۔ اعلیٰ حضرت حکیم السیاست کی حکومت اور عوام نے دل کھول کر ہر طرح اتحادیوں کا ہاتھ بٹایا۔ شاہی ہوائی فوج میں حیدرآباد کے نام کے تین اسکواڈرن ہیں۔ ان میں سے ایک اسکواڈرن اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے شاہانہ عطیہ سے پچھلی جنگ عظیم میں بنایا گیا تھا۔ دوسرے دو لڑنے والے اسکواڈرن میں جو موجودہ جنگ کے دوران میں اعلیٰ حضرت بندگان اقدس اور مملکت آصفی کے باشندوں کے عطیہ سے قائم کئے گئے ہیں۔ پچھلی جنگ میں حیدرآباد اسکواڈرن نے بہت شجاعت اور کارگزاری کی جو روایتیں قائم کی تھیں ان کو بعد کے اسکواڈرن نے پوری طرح قائم رکھا ہے۔ چنانچہ موجودہ جنگ میں حیدرآباد اسکواڈرن کو کئی قابل فخر اعزازات مل چکے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ریاست کی فوجوں نے اتحادی فوجوں کے ساتھ مل کر مختلف محاذوں پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ اسلحہ سامان اور ضروریات جنگ اور روپیہ کی فراہمی میں بھی ہماری ریاست نے شایان شان حصہ لیا۔ یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ سلطنت برطانیہ کے یار وفادار کے زیر سایہ بسنے والوں نے ہر نازک مرحلہ پر عام انسانی فلاح اور آزادی کے لئے وہ سب کچھ کیا جو انسانی ترقی اور آزادی کی تاریخ میں حیدرآباد کے پر عظمت اور یادگار نامہ کی حیثیت سے درج رہے گا۔

اعلیٰ حضرت حکیم السیاست کے تدبر کی بدولت ہماری ریاست جہاں جنگ کی ہر ممکن اعانت کر پیش پیش رہی وہاں ما بعد جنگ تنظیم اور منصوبہ بندی میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں رہی۔ چنانچہ تنظیم ما بعد جنگ سے متعلق اسکیموں کی پیش رفت کے لئے کئی کروڑ روپیہ کی اسکیمیں مرتب کی گئی ہیں جن کے ذریعہ زراعتی اور صنعتی ترقی کے لئے بیش بہا مواقع فراہم کئے جائیں گے اور اہل ملک کی تعلیم صحت خوشحالی اور ترقی کے روز افزوں وسائل مہیا ہو سکیں گے بھی نہیں کہ ایسی اسکیمات تیار کی گئی ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کے واسطے جو روپیہ کی ضرورت ہو گی اس سے بھی غفلت نہیں کی گئی اور آج ہم کسی حکومت سے مالی

کم تیار نہیں ہیں۔

آخر میں میں اپنی اس تقریر کو اعلیٰ حضرت بندگان اقدس شہزادگان والاشان اور خاندان آصفی کے جلالت آئین کے لئے درازی عمر و دولت اقبال کی دعا پر ختم کرتا ہوں۔

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

ہٹلر ایک معمہ بنا ہوا ہے

لندن۔ ۳۰ جون۔ غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مارشل زوکوف کے اس اعلان پر کہ مسٹر ہٹلر کی لاش ابھی نہیں ملی ہے اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ہٹلر مر چکا ہے یا ابھی زندہ ہے۔ اسی طرح جنرل بریڈلے کا یہ بیان کہ وہ زندہ ہے اور ممکن ہے کہ ہسپانیہ میں روپوش ہو۔ اس طرح کسی قدر صحیح ثابت ہوتا ہے کہ برلن کے سقوط سے صرف دو دن قبل اس نے ایوا براؤن سے شادی کی۔ بہر حال یہ تمام باتیں بجو بہ سے زیادہ دلچسپ بنی ہوئی ہیں اور عوام انہیں انتہائی دلچسپی سے سنتے ہیں۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ اگر ہٹلر حقیقت میں اسی طرح فرار ہو گیا ہے تو ضرورت ہے کہ پورا اس کی گرفتاری کی کوشش کی جائے تاکہ اس طرح جرمنوں کے اس ایقان کو غلط ثابت کیا جائے کہ اس نے آخری دم مورچہ پر لڑتے ہوئے جان دی اس لئے کہ اگر یہی جذبہ برقرار رہا تو بچے کھچے نازی جرمنوں کو ہٹلر کا واسطہ دے کر ظلم و تشدد کی کارروائیوں کے لئے ابھارتے رہیں گے۔

روسیوں کو ہٹلر کا نام لکھے ہوئے کتنے پتلون ملے کہ اس سے بھی انہیں شبہ ہو گیا ہے کہ یہ انہیں گمراہ کرنے کے لئے چھوڑ گئے ہیں تاکہ وہ یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہٹلر حقیقت میں مر چکا ہے۔

مشرق وسطیٰ کے متعلق دول خمسہ کی کانفرنس؟

پیرس ۳۰ جون۔ اطلاع دی گئی ہے کہ امریکی حکومت فرانسیسی حکومت کے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جس میں مشرق وسطیٰ کے متعلق دول خمسہ کی کانفرنس کے انعقاد کا مشورہ دیا گیا۔

لندن کے یونانی وزیر نے برطانوی حکومت کے سہ دولی کانفرنس کے مشورے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ کانفرنس منعقد کی جائے تو اس میں ابتداء ہی سے شام و لبنان کو شریک ہونا چاہئے بیروت سے جو وزیر ابھی ابھی واپس ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یونان سے دو ممالک مکمل اقتدار حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عرب ملکوں کے رد عمل کو روکنے کے لئے برطانوی حکومت کی بروقت مداخلت بہتر ثابت ہوئی۔